SURENDRANATH COLLEGE, KOLKAT

سریندر ناتھ کالج، کولکتہ

B.A. GENERAL

بی۔ اے ۔ جنرل

SEMESTER - IV

URDG-G-LCC (2)

STUDY MATERIAL - 11

DR.BILQUIIS BEGUM

Head Of Department, Urdu

SURENDRANATH COLLEGE, KOLKATA .

ڈاکٹر بلقیس بیگم

صدر شعبہء اردو

سریندر ناتھ کالج، کولکتہ

سعادت حسن منٹو : خصوصی مطالعہ

منٹو کی افسانہ نگاری:

اردو افسانہ نگاری کی دنیا میں منٹو صرف ایک نام نہیں، بلکہ ایک تحریک، ایک رجحان اور ایک میلان کا نام ہے جس نے اپنے عہد کے مروجہ سسٹم کے خلاف اردو افسانے کو ایک نئی جہت، ایک نیا رخ، ایک انوکھا پن عطا کیا ہے۔ پریم چند نے اردو افسانوں کو کسانوں اور مزدوروں کی بے بسی و لاچاری اور زمین دار و پٹواری کی بے ایمانی سے روشناس کرایا تو منٹو نے اردو افسانے میں ایک ایسا طبقہ جو سماج میں بدنام ہے، اس کے کردار یعنی طوائف، دلال کو کہانی کا ہیرو بنایا۔ ایک طرح سے منٹو نے افسانے کی دنیا میں 'ہیرو' کی تعریف بدل دی۔ خوب صورت و بہادر جوان کے بجائے بازارِ حسن میں جنس فروخت کرنے والی طوائف کو اردو افسانے کا مرکزی کردار عطا کیا۔ منٹو کے اس دلچسپ اور منفرد اسٹائل نے اردو افسانے کو حقیقت نگاری سے ہم کنار کر کے کہانی کو حقیقی روپ بخشا۔ چوں کہ منٹو کا فن کسی مخصوص نظریے کا پابند نہیں تھا، منٹو کو اپنے فن کے تحفظ کے لیے مخصوص کینوس کی ضرورت کبھی نہیں رہی۔ منٹو کا ماننا تھا کہ کوئی بھی فن کار نظریے کے بندھے ٹکے فارمولے میں نہیں بندھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منٹو مر کر بھی زندہ ہے۔ اس کے افسانے کے کردار چلتے پھرتے، جیتے جاگتے انسان ہے جو اپنی معاشی پریشانیوں کے گرد ہمہ وقت چکر لگا رہے ہیں جسے اتنی فرصت نہیں ہے کہ رومان و تخیل کی دنیا میں سیر سپاٹا کر سکے۔ جیسا کہ مجید لاہوری نے لکھا ہے:

> ''منٹو کے کردار اس کے ذہن کی تخلیق نہیں تھے۔ وہ ان کو ستاروں کی دنیا سے پکڑ کر نہیں لایا تھا۔ یہ چلتے پھرتے کردار اس کے ماحول میں موجود تھے۔ اس کے کردار قدم قدم پر نظر آتے تھے۔ جن کو ہر کوئی دیکھ سکتا تھا۔ مگر کوئی آنکھیں بند کر کے چلے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ جب وہ ان کرداروں کو پیش کرتا تھا تو وہ لوگوں کو کسی دوسری دنیا کے معلوم ہوتے تھے۔ مگر اس کا فن پوری شدت سے یہ منواتا تھا کہ یہ زندگی کے حقائق ہیں۔۔۔ اس نے جنس کو حقیقت کے روپ میں پیش کیا۔ اس نے وہ بند توڑ ڈالے جو فطرت کے تقاضوں کو روکنے کے لئے باندھے گئے تھے۔ اس نے بتایا کہ روٹی کی بھوک کے علاوہ ایک اور بھوک بھی ہے جب وہ بھوک نہیں مٹتی تو جرائم بڑھتے ہیں، بیماریاں پھیلتی ہیں۔''

منٹو کی زندگی ابتدائی دور سے لے کر موت تک پانچ شہروں کے گرد گھومتی رہی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ بعد میں ۹ سال کی عمر میں ایم. اے. او. مڈل اسکول امرتسر میں چوتھی جماعت میں داخل ہوئے اور پھر امرتسر سے نکلے تو علی گڑھ پہنچے تاکہ تعلیمی سلسلہ از سر نو جاری کیا جائے لیکن دق کے عارضہ کی وجہ سے علی گڑھ میں بھی نہیں رہ سکے۔ اپنی معاشی زندگی کا آغاز انہوں نے لاہور سے کیا اور کچھ عرصے کے بعد لاہور سے بمبئ چلے گئے۔ وہاں سے نکلنے کے بعد دہلی پہنچے اور آخر کار لاہور واپس ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سوا دو سو سے زائد کہانیوں میں سے صرف چند کا تعلق گاؤں سے ہے۔ باقی تمام کہانیوں کا ماحول، کردار شہری ہیں۔ جیسا کہ خالد اشرف نے لکھا ہے:

> ”منٹو کے فنی نظام کی اولین حد اس کی مدنی Urban ساخت ہے۔ گاؤں دیہات، غریب کاشتکاروں کے مسائل، زمینداروں اور مزارعوں کے سماجی انسلاکات اور ذہنی واقتصادی پسماندگی کے مضمرات وغیرہ ان کے تجربات کا حصّہ نہیں ہیں۔ اسی لئے وہ چند افسانوں ”کبوتر والا سائیں، یزید، صاحب کرامات، ہر نام کور، آمنہ وغیرہ کے علاوہ اپنے موضوعات، واقعات اور کرداروں کو شہری فضا تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ شہروں میں دو شہر بمبئی اور لاہور، جہاں منٹو نے اپنی عمر کے تقریباً اٹھارہ سال بسر کئے تھے۔ منٹو کی کہانیوں کے LOCALE کے طور پر بار بار ابھرتے ہیں۔ ان دو شہروں کے علاوہ ان کا آبائی شہر امرتسر اور دہلی، جہاں انھوں نے ڈیڑھ برس ریڈیو پر ملازمت کی تھی، یہی منٹو کی کچھ کہانیوں کا پس منظر بنتے ہیں۔“

(فسانے منٹو کے اور پھر بیان اپنا صفحہ:۱۷۳-۱۷۲)

مذکورہ اقتباس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ منٹو کے افسانوں کا ماحول زیادہ تر شہری ہے۔ اور اس ماحول میں رونما ہونے والے واقعات و حادثات کا تعلق بھی شہری زندگی سے ہے۔ اس طرح اُس کے افسانوں کے کردار بھی شہر میں رہنے والے مختلف طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر کردار ایسے ہیں جو سماجی طور پر معتوب ہیں، یا پست طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن منٹو کو وہی کردار پسند ہیں۔ وہ ان کرداروں کو قاری کے لئے پسندیدہ بنا دیتے تھے اور یہی ان کی فنکاری ہے۔

منٹو کے افسانوں کے موضوعات میں جنس کے علاوہ تقسیم ہند اور اس سے رونما ہونے والے فسادات اپنی تمام سرگرمیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اور یہی منٹو کے افسانوں کی اہمیت ہے اور یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اٹل ہے کہ ہندوستان کی دوسری زبانوں میں تقسیم ہند پر جو افسانے لکھے گئے ہیں ان میں افضلیت منٹو کے افسانوں کو ہے۔ انھوں نے تقسیم ہند پر جو افسانے لکھے ہیں ان میں ٹوبہ ٹیک سنگھ، موذیل، ٹھنڈا گوشت، کھول دو، سہائے، رام کھلاون، گورکھ سنگھ کی وصیت، یزید، شریفن، ہرنام کور، ڈارلنگ، عزت کے لئے، وہ لڑکی، انجام بخیر، اللہ دتّا، مائی نانکی شاہکار افسانے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ان کے افسانوں کو بڑی تعداد ہے۔ جن میں تقسیم ہند کا پرتو کسی نہ کسی طرح موجود ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل کہا جا چکا ہے کہ ان کی کہانیوں میں گاؤں کا ماحول کم اور شہری زندگی کے مسائل زیادہ ہیں۔ گاؤں سے متعلق کہانیوں میں وہاں کے افلاس زدہ طبقے کی زندگی کی ترجمانی ملتی ہے۔ جیسے ”کبوتر والا سائیں“ میں دیہات کے غریب طبقے کی زندگی کو یوں پیش کیا گیا ہے:

> ”پنجاب کے ایک سرد دیہات کے تکیے میں مائی جیواں صبح سویرے ایک غلاف چڑھی قبر کے پاس زمین کے اندر کھدّے ہوئے گڈھے میں بڑے بڑے اُپلوں سے آگ سلگا رہی ہے۔ صبح کے سرد اور مٹیالے دھندلکوں میں جب اپنی پانی بھری آنکھوں کو سکیڑ کر اور اپنی کمر کو دھڑ کر کے منھ قریب قریب زمین کے ساتھ لگا کر اوپر تلے رکھے ہوئے اُپلوں کے اندر پھونک گھسیڑنے کی کوشش کرتی ہے تو زمین پر سے تھوڑی سی راکھ اڑتی ہے اور اس کے آدھے سفید اور آدھے کالے بالوں پر جو کہ گھسے ہوئے کمبل کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ بُجھ جاتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بالوں میں تھوڑی سفیدی اور آ گئی ہے۔“

(کبوتر والا سائیں بحوالہ: کالی شلوار صفحہ:۷)

نچلے طبقہ کا ذکر

منٹو نے اپنے افسانوں میں گاؤں کے نچلے طبقے کا ذکر بھی بڑے ہی بے باک طریقے سے کیا ہے۔ گاؤں کے اس طبقے کی زندگی کسی ہوتی ہے؟ ان کا رہن سہن کیا ہوتا ہے؟ ان کے عادات و اطوار اور زاویہ فکر کیا ہوتا ہے، ان تمام جزیات کی عکاسی منٹو نے اپنے افسانوں میں کی ہے:

> ''گاما سائیں سارے گاؤں میں ہر دل عزیز تھا۔ ذات کا وہ کمہار تھا۔ مگر چونکہ اُسے تکئے کی دیکھ بھال کرنا ہوتی تھی۔ اس لئے اس نے برتن بنانے چھوڑ دئے تھے۔ لیکن اس کے ہاتھ کی بنائی ہوئی کونڈیاں اب بھی مشہور ہیں۔ بھنگ گھومنے کیلئے وہ سال بھر میں چھ کونڈیاں بنایا کرتا تھا جن کے متعلق بڑے فخر سے وہ یہ کہا کرتا تھا ''چوہدری لوہا ہے لوہا۔ فولاد کی کونڈی ٹوٹ جائے پر گاما سائیں کی یہ کونڈی دادا لے تو اُس کا پوتا بھی اسی میں بھنگ گھوٹ کر پیئے۔''

(کبوتروں والا سائیں بحوالہ کالی شلوار صفحہ:۸)

فساد کے اثرات گاؤں کی فضا میں

زندگی کا کون سا گوشہ ہے جس پر منٹو نے قلم نہ اٹھایا ہو۔ انسان کی کج روی اور بے حسی کا معاملہ ہو یا نچلے طبقے کی زندگی اور طوائف کی زندگی کا۔ فسادات کا موضوع ہو یا ہندو مسلم افتراق کا، ہر ہر گوشے کو اس نے چھوا ہے۔ منٹو نے گاؤں کی فضا میں پنپنے والے فساد کے اثرات کو بھی اپنے افسانے میں جگہ دی ہے مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''گاؤں میں اور بھی کئی وارداتیں ہوئی تھیں۔ سینکڑوں جوان اور بوڑھے قتل ہوئے تھے۔ کئی لڑکیاں غائب ہو گئی تھیں۔ کچھ کی بہت ہی ظالمانہ طریقے پر بے آبروئی ہوئی تھی۔ جس کے بھی یہ زخم آئے تھے۔ روتا تھا اپنے پھوٹے نصیبوں پر اور دشمنوں کی بے رحمی پر۔'' (یزید صفحہ:۶)

دیہاتی باشندوں کی تفریح

منٹو نے جہاں ہر طبقے اور مکاتب فکر کی نمائندگی کی ہے وہیں دیہاتی باشندوں کی تفریح اور سامانِ تعیش کا بھی ذکر کیا ہے:

> ''چوہدری موجو بوڑھے برگد کی گھنی چھاؤں کے نیچے کھری چارپائی پر بڑے اطمینان سے بیٹھا اپنا جموڑا پی رہا تھا۔ دھوئیں کے ہلکے ہلکے بقے اس کے منہ سے نکلتے تھے اور دوپہر کی ٹھہری ہوئی ہوا میں ہولے ہولے گم ہو جاتے تھے۔ وہ صبح سے اپنے چھوٹے سے کھیت میں ہل چلاتا رہا تھا اور اب تھک گیا تھا۔ دھوپ اس قدر تیز تھی کہ چیل بھی اپنا انڈا چھوڑ دے مگر اب وہ اطمینان سے بیٹھا اپنے جموڑے کا مزا لے رہا تھا۔''

(صاحب کرامات بحوالہ سڑک کے کنارے صفحہ:۱۳۹)

گاؤں کی زندگی

منٹو نے شہری زندگی کے متعدد مسائل اور وہاں کی سماجی و معاشرتی زندگی کو اپنے افسانوں میں جگہ دی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ گاؤں کی سادہ اور بے تکلف زندگی کو بھی بڑے کروفر کے ساتھ برتا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ’’چوہدری موجو کی زمین واجبی تھی مگر اس کے گزارے کے لئے کافی تھی گاؤں بہت چھوٹا تھا۔ ایک دور افتادہ جگہ پر جہاں سے ریل کا گزر نہیں تھا۔ ایک کچی سڑک تھی جو اسے دور ایک گاؤں کے ساتھ ملاتی تھی جو چوہدری موجو ہر مہینے دو مرتبہ اپنی گھوڑی پر سوار ہو کر اس میں جاتا تھا۔ جس میں دو تین دکانیں تھیں۔ اور ضرورت کی چیزیں لے آتا تھا۔‘‘

(ایضاً صفحہ:۱۴۰)

منٹو کے افسانوں میں شہر اپنی خوبصورتی اور بدصورتی کے حوالے سے نہیں ہے بلکہ شہر میں رہنے والے افراد جن کا تعلق نچلے طبقے سے ہے یا اشرافیہ کی نظروں میں معتوب تصور کئے جانے والے سے ہے جیسے کوچوان، دلاّلی، پیشہ کروانے والیاں، گنڈا، سہائے یا بابو گوپی ناتھ وغیرہ۔

شہر کے نچلے طبقے کی زندگی

نچلے طبقوں میں دو طرح کے افراد ہیں۔ ایک محنت مزدوری کرنے والا غریب طبقہ، جیسے منگو کوچوان، کیشو لال، مونگ پھلی والے وغیرہ دوسرا طبقہ دلال، (خوشیا) موذیل، سوگندھی (پیشہ ور عورتیں)۔ منٹو کا افسانہ ’’نیا قانون‘‘ سماج پر ایک بھرپور وار ہے کیونکہ اس افسانہ میں منگو کوچوان، جو ناخواندہ ہونے کے باوجود عصری سیاست سے نالاں اور گوروں کے ظلم سے پریشان تھا لیکن جب اس نے سنا کہ ’’نیا قانون‘‘ آنے والا ہے تو اس نے بہت سے امیدیں باندھ رکھی تھیں :

> ’’استاد منگو نے پچھلے برس کی لڑائی اور پہلی اپریل کے نئے قانون پر غور کرتے ہوئے گورے سے کہا، کہاں جانا مانگتا ہے؟ استاد منگو کے لہجے میں چابک ایسی تیزی تھی۔ گورے نے جواب دیا ’’ہیرا منڈی‘‘ کرایہ پانچ روپے ہوگا۔ استاد منگو کی مونچھیں تھرتھرائیں۔ یہ سن کر گورا حیران ہو گیا ’وہ چلایا‘ پانچ روپے؟ کیا تم ...... ’پانچ روپئے‘ یہ کہتے ہوئے استاد منگو کا داہنا پالوں سے بھرا ہاتھ کھینچ کر ایک وزن گھونسے کی شکل اختیار کر گیا۔ کیوں جاتے ہو...... یا بیکار باتیں بتاؤ گے؟ استاد منگو کا لہجہ سخت ہو گیا۔ ’’گورا پچھلے برس کے واقعہ کی پیش نظر رکھ کر استاد منگو کے سینے کی چوڑائی نظر انداز کر چکا تھا۔ وہ خیال کر رہا تھا کہ اس کی کھوپڑی پھر کھجلا رہی ہے۔ اس حوصلہ افزا خیال کے زیر اثر وہ تانگے کی طرف اکڑ کر بڑھا اور اپنی چھڑی سے استاد منگو کے تانگے پر سے نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ بید کی یہ پالش کی ہوئی پتلی چھڑی استاد منگو کی موٹی ران کے ساتھ دو تین مرتبہ چھوتی۔ اس نے کھڑے کھڑے اوپر سے پست قد گورے کو دیکھا۔ گویا وہ اپنی نگاہوں کے وزن ہی سے اسے پیس ڈالنا چاہتا ہے۔ پھر اس کا گھونسہ کمان میں سے تیر کی طرح سے اوپر کو اٹھا اور چشم زدن میں گورے کی ٹھڈی کے نیچے جم گیا۔ دھکا دے کر اس نے گورے کو پرے

ہٹایا اور نیچے اتار کر اسے دھڑ ادھڑ اپینا شروع کر دیا۔“

(منٹو کے نمائندہ افسانے اطہر پرویز صفحہ۴۲:۴۳)

شہر کی پیشہ ور عورتیں

منٹو نے شہر کے متعدد مسائل اور زندگی کے بوقلموں گوشوں کو جہاں اپنے افسانوں میں جگہ دی ہے وہیں شہر کی پیشہ ور عورتوں کا ذکر بھی کیا ہے:

> ”گھر کی طرف سوگندھی کے قدم اٹھے ہی تھے کہ رک گئے اور وہ ٹھہر کر سوچنے لگی۔ رام لال دلال کا خیال ہے کہ اسے میری شکل پسند نہیں آتی۔ شکل کا تو اس نے ذکر نہیں کیا۔ اس نے تو یہ کہا تھا ”سوگندھی تجھے پسند نہیں کیا“! اسے۔ اسے۔ صرف میری شکل ہی پسند نہیں آتی۔ نہیں آئی تو کیا ہوا؟ مجھے بھی کئی آدمیوں کی شکل پسند نہیں آتی۔ وہ جو اماوس کی رات کو آیا تھا کتنی بری صورت تھی اس کی۔ کیا میں نے ناک بھوں نہیں چڑھائی تھی؟“

(منٹو کے نمائندہ افسانے اطہر پرویز صفحہ:۷۶-۷۷)

شہر کے غنڈے

منٹو نے شہری زندگی کے گوناگوں حالات وواقعات کی جہاں عکاسی کی ہے، وہیں شہر کے غنڈوں کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ وہ چھری چاقو لے کر پوری بستی میں کس طرح دندناتے پھرتے ہیں اور سادہ ومعصوم لوگوں کو کس طرح ہراساں اور پریشان کرتے ہیں:

> ”محمد بھائی رام پور کا رہنے والا تھا۔ اول درجے کا پھکیت، گنکے اور بنوٹ کے فن میں لکھتا۔ میں جب عرب گلی میں آیا تو ہوٹلوں میں اس کا نام اکثر سننے میں آیا لیکن ایک عرصے تک اس سے ملاقات نہ ہوسکی۔ میں صبح سویرے اپنی کھولی سے نکل جاتا تھا اور بہت رات گئے لوٹتا تھا۔ لیکن مجھے محمد بھائی سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ کیوں کہ اس کے متعلق عرب گلی میں بے شمار داستانیں مشہور تھیں کہ بیس پچیس آدمی اگر لاٹھیوں سے مسلّح ہو کہ اس پر ٹوٹ پڑیں تو وہ اس کا بال تک بیکا نہیں کر سکتے۔ ایک منٹ کے اندر اندر وہ سب کو چت کر دیتا ہے اور یہ کہ اس جیسا چھری مار ساری بمبئی میں نہیں مل سکتا ایسے چھری مارتا ہے کہ جس کو لگتی ہے اسے پتہ نہیں چلتا۔ سوقدم بغیر احساس کے چلتا رہتا ہے۔ اور آخر ایک دم ڈھیر ہو جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ہاتھ کی صفائی ہے۔“

(منٹو کے نمائندہ افسانے اطہر پرویز صفحہ:۹۰)

شہر کے امیر

منٹو نے اپنے افسانے میں شہری مسائل کے دوش بدوش یہاں کے امیر طبقے کی زندگی کی بھی عکاسی کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ”بابو گوپی ناتھ سے میری ملاقات سن چالیس میں ہوئی۔ ان دنوں میں بمبئی کا ایک ہفتہ وار پرچہ ایڈٹ کیا کرتے تھا۔ دفتر میں عبدالرحیم سینڈو ایک ناٹے قد کے آدمی ساتھ داخل ہوا۔ میں اس وقت لیڈر لکھ رہا

تھا۔ سینڈو نے اپنے مخصوص انداز میں بآواز بلند مجھے آداب کیا اور اپنے ساتھ سے مجھے متعارف کرایا۔

“منٹو صاحب بابو گوپی ناتھ سے ملئے۔”

(منٹو کے نمائندہ افسانے / اطہر پرویز صفحہ ۱۵۳)

شہر میں پست اور قابل مذمت زندگی بسر کرنے والا

منٹو نے ایسے افراد کو بھی اپنے افسانوں میں برتا ہے جو شہری زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور جو پست اور قابلِ مذمت زندگی گزارنے والے ہیں۔ ان کی زندگی اور ان کے رہن سہن اور عادات واطوار کو بھی بحسن وخوبی پیش کیا ہے جس سے ہم شہری زندگی کے بوقلموں گوشوں اور مختلف مسائل سے آگاہ ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> “مجھے یہ بتاتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ لوگ اسے بالا کجر کہتے ہیں۔ معلوم نہیں انسانوں کے ساتھ اس کے آبا واجداد کی ذات کیوں منسوب کردی جاتی ہے۔ بالا جیسا کہ میں جانتا ہوں، نہایت خوش ذوق نوجوان تھا۔ تعلیم یافتہ، خوبصورت، مشہور، بذلہ سنج، شاعر مزاج، اس کی طبیعت میں وہ جوہر تھا جو کسی بھی انسان کو فن کی بلندیوں پر پہنچا سکتا ہے......۔”

(۱۹۱۹ء کی ایک بات یزید صفحہ: ۱۰۵)

☆☆☆☆☆